حد سے بڑھی ہوئی زمینداریوں کو مٹایا اور ان کی چھوٹی چھوٹی ملکیتیں بنا کر متوسطین کے سروں سے بھاری بوجھ اٹھا دیا اور محصولوں کو محدود کر کے صرف کافروں سے جزیہ اور مسلمانوں اور عیسائیوں سے مساوی طور پر خراج لینے پر اکتفا کیا اور غلاموں کی کثرت سے آزاد کرنے کی ترغیب دلائی اور جو آزاد ہوئے ان کی حالت بہت زیادہ سدھار دی اس لئے کہ یہ لوگ اب اپنے غیر کاشتکار مسلمان آقاؤں کی ملازمت میں بھی خود مختار اجارہ دار کی حیثیت رکھتے تھے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد عوام محسوس کرنے لگے تھے کہ حکمرانوں کی تبدیلی سے وہ نفع میں رہے انھیں اجازت ہوگئی کہ خود اپنے قوانین اور احکام باقی رکھیں۔ خود انھی کی قوم کے عامل اضلاع کا انتظام، محصول کی تحصیل اور ان کے آپس کے جھگڑوں کا تصفیہ کرتے تھے۔"

خانہ جنگی کی تکلیفوں اور تحریکِ آزادی کی ناکامیابی نے ہمتوں کو پست اور ولولوں کو سرد کرنا شروع کر دیا تھا۔ عوام میں جوش و خروش کی کمی اور باغیوں کی خستگی اور پست ہمتی کا اندازہ اس سے بخوبی ہوتا ہے کہ ۹۵۹ء میں ابن حفصون نے عبیداللہ شیعی کی تائید حاصل کرنے کے لئے اس کی امارت و سرپرستی کو قبول کر لیا تھا عام پبلک ان ٹیکسوں سے جو مرہٹوں کی چوتھ کے مترادف تھے اور ابن حفصون کے مطلق العنان ساتھیوں کی چیرہ دستی سے جنہیں مذہب یا قانون کا کوئی لحاظ نہ تھا عاجز اور پریشان تھی جیان اور البیرہ کے پہاڑی سرداروں کی عیش پرستی اور قزاقانہ طرزِ عمل ضرب المثل ہو رہا تھا اپنے مخصوص انداز میں پروفیسر ڈوزی نے ان کی زندگی کا خاکہ مندرجہ ذیل الفاظ میں کھینچا ہے۔

پہاڑوں کی ابرآلود اور بلند چوٹیوں کے قلعوں میں اب ان کی حیثیت محض

قزاقوں کی رہ گئی تھی۔ مذہب یا قانون سے اب ان کو کوئی واسطہ نہ تھا قلعوں کی فصیلوں پر مسافروں کی تاک میں بیٹھے رہتے اور جب کوئی قافلہ یا کارواں نظر آتا تو اس پر ایسے گرتے جیسے شکاری پرند شکار پر گرتا ہو۔ پھر دوست دشمن کسی میں فرق نہ کرتے۔ انھیں لوٹنے اور مار ڈالنے کے سوا دوسرا کام نہ تھا۔ کوئی گاؤں اور شہر نہ تھا جہاں کے آدمی ان ظالموں کے حق میں دل سے بد دعا نہ کرتے ہوں جو شخص ان قزاقوں کے برجوں اور قلعوں کی فصیلوں کو گرا دے وہ مظلوموں کے شکریہ کا مستحق تھا لیکن یہ کام سوائے امیر اندلس کے دوسرے کے بس کا نہ تھا۔

جب یہ احساس پختہ ہو گیا کہ حکومت کی بنیاد خالص جبر و قوت، عیاری اور ناانصافی پر قایم ہے اور حکمراں بے ایمان اور کمزور ہیں تو وہ ان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور بنو امیہ کو اسپین سے خارج اور برطرف کرنے کی جدوجہد میں تیس برس لگ گئے لیکن نتیجہ کچھ حاصل نہ ہوا۔ عبدالرحمٰن کی عادلانہ اور مربیانہ پالیسی کے بعد رعایا کو کوئی قرار واقعی شکایت نہ تھی حکومت و ریاست کی بنیاد حق و انصاف پر تھی۔ اور رعایا کی مرفہالحالی میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا۔ قانون و انصاف کی عملداری کو سارے ملک میں پھیلانے کی جدوجہد ہو رہی تھی ان حالات کے تحت ہر امن پسند اور محب وطن شہری نے اس کو اپنا فرض سمجھا کہ امیر کے دشمنوں کے خلاف اس کی اطاعت و حمایت کرے تاکہ ملک میں امن و انصاف قایم ہو۔

اس ذہنی انقلاب اور باہمی نفاق و شقاق کا یہ لازمی نتیجہ تھا کہ امیر کی مساعی جمیلہ بار آور ہوں ۳۱۲ھ میں ارجذونہ، البیرا، جیان، منت لیون اور رفیانہ نے بآسانی امیر کی اطاعت قبول کر لی ۳۱۳ھ میں قرمونہ اور ۳۱۶ھ میں مشرق میں اوریولہ اور مغرب میں لبلہ

فتح کرنے گئے۔

۹۳۲ء میں سب طرف سے مطمئن ہو کر عبدالرحمٰن نے طلیطلہ کی طرف رخ کیا جہاں کے باشندے سرکشی اور خودسری کے لئے اندلس میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے عرب مورخین کے متفقہ بیان کے مطابق اس وقت کی دنیائے اسلام میں کسی جگہ کی رعایا میں اس قدر جذبات بغاوت نہیں ہیں جتنے طلیطلہ کی رعایا میں کہ وہ ہر وقت شمشیر بکف ہی بیٹھے رہتے ہیں" جغرافیائی اعتبار سے طلیطلہ بہت مستحکم اور محفوظ تھا۔ چونکہ شہر سنگِ خارا کی ناہموار پہاڑی پر واقع تھا اور تین طرف سے دریائے تاجہ شہر کو گھیرے ہوئے تھا اس لئے وہاں کے باشندے اپنے کو محفوظ اور اپنے قلعے کو ناقابل تسخیر تصور کرتے تھے۔ اور طلیطلہ دراصل نسبتاً بہت محفوظ تھا۔ باغیوں نے نہایت بہادری اور بےجگری سے مقابلہ کیا۔ لڑائی نے طول پکڑا۔ عبدالرحمٰن بھی مستقل مزاج اور اپنی بات کا دھنی تھا اس نے شہر کے مقابل ایک نیا شہر آباد کیا اور اس کا نام "الفتح" رکھا۔ گویہ اس بات کا اعلان اور الٹیمیٹم تھا کہ جب تک محصورین اطاعت نہ قبول کریں گے محاصرہ کی سختی میں کوئی کمی نہ ہوگی بالآخر محاصرہ کی تنگی اور تکالیف سے مجبور ہو کر محصورین نے ہتھیار ڈالدیئے اور شاہی فوجوں کے لئے اپنے دروازوں کو کھول دیا۔

خارجی پالیسی خانہ جنگی اور اندرونی جھگڑوں کے ساتھ ساتھ نئے امیر کو دو طاقتور اور خطرناک بیرونی دشمنوں سے بھی پالا پڑا۔ شمال میں لیون کی عیسائی حکومت اور جنوب میں بنو فاطمہ کی للچائی ہوئی نظریں زرریز و شاداب اندلس پر پڑ رہی تھیں دور اندیشی اور موقعہ شناسی سے کام لیتے ہوئے عبدالرحمٰن نے فوراً فیصلہ کیا کہ جب تک ملک میں امن و امان قائم نہ ہو جائے اسے مدافعت ہی پر قانع رہنا چاہئے چونکہ حکومت لیون سے فی الحال فیصلہ

کن جنگ کرنا ناممکن اور ناموزوں تھا اس لیے اس نے صرف حفاظتی تدابیر کو کافی اور بہتر خیال کیا۔ اور شمالی سرحدوں کی مورچہ بندی کا مناسب انتظام کیا۔ تاکہ دشمنوں کی ناکہ بندی ہو سکے اور ان کے مسلسل اور بے پناہ حملوں سے ممالک محروسہ محفوظ و مامون رہیں، داخلی مشکلات کے علاوہ اس کو اس وقت سب سے زیادہ اور فوری خطرہ جنوب کی جانب سے افریقہ کی اسماعیلی حکومت سے تھا کیونکہ تاریخی روایات انھیں قرطبہ پر قبضہ واقتدار حاصل کرنے کے لئے ابھارتی اور اکساتی تھیں۔ فاضل فقیہ عبدالملک بن حبیب کی پیشینگوئی کی وجہ سے اسپین میں کافی لوگ بنو فاطمہ کے ہواخواہ اور معتقد ہو گئے تھے یہ پیشینگوئی ۲۳۸ھ میں کی گئی تھی جبکہ بنو فاطمہ کی خلافت وجود میں بھی نہ آئی تھی اور اس لئے اب جبکہ افریقہ میں ان کی حکومت قائم ہو چکی تھی لوگوں کو اس وقت کا انتظار تھا جب ابن حبیب کے قول کے مطابق "حضرت فاطمہ کی اولاد سے ایک شخص اسپین پر حکومت کریگا" اور وہ قسطنطنیہ کو بھی فتح کرے گا۔ یہ بادشاہ قرب وجوار کے ملکوں کے تمام مردوں کو قتل کرے گا اور ان کی عورتوں اور بچوں کو بیچ ڈالے گا۔ یہاں تک کہ ایک لڑکا ایک چابک اور ایک لکڑی ایک ہمہیز کے بدلے میں فروخت ہو جائے گی"۔

عبدالرحمن تلوار کا دھنی اور تدبیر کا ماہر تھا۔ اس کا یہ اصولِ سیاست تھا کہ جب تک ناخنِ تدبیر سے کام نکل سکے سیاسی گتھیوں کو تلوار کی نوک سے نہ سلجھایا جائے۔ افریقہ کے بربروں کی جاہلیت اور اُن کے مذہبی جوش وجنوں سے وہ بخوبی واقف تھا اس لئے موقع اور وقت کی نزاکت کا لحاظ کرتے ہوئے اس نے حزم واحتیاط اور تدبیر سے کام لینے کا فیصلہ کیا وہ جانتا تھا کہ جاہل مگر مذہب کے دیوانے بربروں میں مذہب کے ذریعہ ایسی آگ لگائی جا سکتی تھی جو کسی سے بجھائے

نہ بنے۔ مذہبی فساد کی پھلجڑی چھوڑ کر اس نے شاہان بنی فاطمہ کی توجہ اور فتنہ انگیز تدبیریں کو اندلس سے ہٹا کر افریقہ کی طرف منعطف کرا دیا۔

شرفائے عرب کے اقتدار کا زوال | عرب امراء کی مستقل سرکشی اور بغاوت سے امیر عبدالرحمن ان سے سخت ناراض اور نالاں تھا۔ قبائلی عصبیت کی بنا پر ان عرب امیروں اور سرداروں میں رقابت چلی آتی تھی اور ان کے اختلاف صرف زبانی بحث و مباحثہ اور لفظی مخالفت ہی تک محدود نہ رہتے تھے بلکہ معمولی باتوں پر قیامت برپا ہو جاتی تھی اور تلوار سے فیصلے ہوتے تھے اس کو یہ بھی معلوم تھا کہ جب کبھی بھی عنانِ حکومت کمزور یا عیش پرست فرمانرواؤں کے ہاتھوں میں آئی تو ان امرا نے اس سے ہمیشہ ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کی اور حکومت کی قوت و طاقت میں خلل پیدا کیا غرور قومی کی بنا پر یہ عرب امرا بقیہ تمام لوگوں کو حقارت و تذلیل کی نظر سے دیکھتے تھے اور ان کی باہمی رشک و رقابت نے اندلس کی زمین پر بارہا خون کے بادل برساتے امیر اندلس کے سب سے زیادہ مخالف دراصل یہی امرا تھے کیونکہ امیر کے منتظم اور صاحبِ جبروت ہونے سے ان کی عظمت و اقتدار اور ہمہ گیر اثر کو صدمہ پہنچا تھا ان کا خیال تھا اور صحیح خیال تھا کہ اگر انصرامِ سلطنت اور انتظامِ حکومت مضبوط ہاتھوں میں ہوگا تو ان کی مطلق العنانی کا خاتمہ ہو جائے گا جن لوگوں کو جس قدر زیادہ نقصان کا اندیشہ تھا اسی قدر مخالفت میں وہ زیادہ سرگرم تھے بڑے بڑے اربابِ اقتدار نہایت ذلیل قسم کی بداخلاقیوں کے مرتکب تھے۔ ملک میں امن و امان اور امیر قرطبہ کی فرمانروائی کے لئے یہ لازمی اور ضروری تھا کہ ان خود غرض اور خود سر اربابِ جاہ کے اعمالِ شنیعہ کی روک تھام کے لئے سخت دار و گیر کی جائے۔ ممکن تھا کہ عرب سرداروں کی اصلاح کے لئے وہ کوئی

نرم طریقہ اختیار کرتا لیکن مدت کی قبائلی عصبیت، عربی نخوت، دولت واقتدار کا فخر اور بے جا حکومت وریاست کا زعم ہوتے ہوئے وہ آسانی سے راہ راست پر آنے والے لوگ نہ تھے۔ اس لئے اس نے وسیع اختیارات اور امتیازات جو اب تک شرفاء عرب کو حاصل تھے منسوخ کر دئے۔ اور "ان کی قوت واقتدار کو اس بری طرح کچلا کہ وہ جزیرہ نما اندلس میں تکلیف دہ عنصر نہ رہے"۔ انہیں اور دوسرے سرداروں میں کوئی خاص فرق وامتیاز نہ تھا۔ جس کی بنا پر وہ فخر کر سکتے۔ ان کی جگہ ایک نیا طبقہ امراء کا قائم ہوا جو مصر کے "ملوک" اور ہندوستان کے ترکی غلاموں سے مشابہت رکھتا ہے"۔

نئے اصول حکومت | تخت نشین ہوتے ہی عبدالرحمٰن کو یہ واضح ہو گیا تھا کہ امن وامان قائم رکھنے اور انصرام سلطنت کے لئے یہ ضروری ہے کہ انتظام حکومت کی اصلاح کی جائے امرا اور عمال کو جو آزادی اور غیر محدود اختیارات حاصل تھے ان پر پابندی عاید کی جائے۔ اور کل قلمرو میں امیر کے علاوہ کسی کو شاہی اقتدارات عمل میں لانے کا اختیار وقدرت نہ ہو۔ اب جبکہ اٹھارہ برس کی جان توڑ اور مسلسل کوششوں کے بعد وہ اپنے اور ملک کے دشمنوں کو شکست دینے میں کامیاب ہوا تھا اور ساری بغاوتوں اور شورشوں کا قلع قمع کر چکا تھا وہ انتظام حکومت کی اصلاح اور درستگی کی طرف متوجہ ہوا اور حکومت کے نئے اصول مرتب کئے۔ تلخ تجربہ کی بنا پر عبدالرحمٰن کو عربی امرا اور پرانے عہدیداروں سے شکایت ونفرت تھی اس لئے پرانے رؤسا کا اقتدار واثر توڑنے کے لئے اس نے مطلق العنانی کو اپنا شعار بنایا۔ اور انتظام حکومت و انصرام سلطنت کلیتہً اپنے ہاتھ میں رکھا۔ اپنے طرز حکومت اور نظریہ کی وضاحت

کرتے ہوئے ایک مرتبہ اس نے اوتّو دی گریٹ کے سفیر سے کہا کہ "میں تسلیم کرتا ہوں کہ تمہارا بادشاہ بڑا دانشمند اور صاحب فراست ہے۔ لیکن اس کے طریقۂ حکمرانی میں ایک بات ایسی ہے جسے میں پسند نہیں کرتا۔ اور وہ یہ ہے کہ حکومت کو کلیتہً اپنے ہاتھ میں رکھنے کی بجائے وہ اپنے ماتحتوں کو حکومت میں شریک وسہیم کرتا ہے بلکہ ان کے قبضہ میں ملک کا انتظام دیدیتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس طریقہ سے بادشاہ کا اعتبار ان کے دلوں میں قایم ہو جائیگا۔ مگر یہ سخت غلطی ہے امرائے سلطنت کے اختیارات میں وسعت کے معنی اس کے سوا کچھ نہیں ہوتے کہ ان کا غرور بڑھ جائے۔ اور ان کی اولاد بغاوتیں برپا کرے۔" عنانِ حکومت امیر کے مضبوط ہاتھوں میں تھی۔ اور اس کی ذات سلطنت کا محور ومرکز تھی۔ جبکہ سردار ورئیس اس کے نائب کی حیثیت سے صرف انہی اختیارات کو عمل میں لا سکتے تھے جو ان کو امیر کی جانب سے عطا ہوئے تھے۔ ان کی بیجا حرکات اور ظلم وستم کے انسداد کے واسطے ان کی طاقت اور آزادی کو سلب کر لیا گیا اہم امور میں ان کو امیر کی رائے اور اجازت حاصل کرنی ضروری اور لازمی تھی یہاں تک کہ اہم مسئلوں میں وزراء تک کو امیر کی اجازت کے بغیر کسی فیصلہ یا اقدام کا حق واختیار نہ تھا۔ بڑے بڑے عہدوں پر صرف وہی لوگ فائز ہو سکتے تھے جن کی لیاقت اور وفاداری پر امیر کو اطمینان واعتبار تھا۔ شاہانہ رعب واقتدار قایم کرنے کی نیت سے عبدالرحمٰن نے اپنی فوجِ خاص کی تعداد میں اضافہ کیا اور اپنی ذاتی حفاظت کے لئے باڈی گارڈ مقرر کیا جو اس کے اپنے غلاموں یا "مملوک" پر مشتمل تھا ان غلاموں کا تعلق براہ راست امیر کی ذات سے ہوتا تھا۔ وہ اپنی لیاقت وقابلیت کی بناء پر منتخب اور مقرر کیے جاتے تھے۔ اطاعت وفرمانبرداری، جانفشانی اور کارگذاری کے لحاظ

سے ان کی ترقی ہوتی تھی سو بہ اعتبار لیاقت وکارگذاری سلطنت کے تمام شعبوں میں اہم عہدے انھیں کو تفویض ہوتے تھے چونکہ نسلی و لسانی حیثیت سے یہ لوگ اندلس میں اجنبی اور پردیسی تھے اس لئے انھیں سلطنت کے دوسرے باشندوں سے کوئی خاص تعلق یا لگاؤ نہ ہوتا تھا اور نہ عوام سے کوئی ہمدردی ۔ ان کی عظمت واقتدار خلیفہ کی ذات وحکومت سے وابستہ ہوتی تھی ۔ اس لیے وہ زیادہ وفادار رہتے تھے ان کی حیثیت شاہانِ مصر کے ملوک اور ہندوستان کے چہل گانیوں کے مشابہ اور مترادف تھی ۔ اگرچہ وہ خود غلام تھے لیکن ان کی حیثیت جاگیردارانہ اور زندگی رئیسانہ ہوتی تھی ان کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ان کی تعداد رفتہ رفتہ بڑھ کر تین ہزار سات سو پچاس (۳۷۵۰) سے تیرہ ہزار سات سو پچاس (۱۳۷۵۰) ہوگئی تھی ۔

بنو فاطمہ اور افریقہ ملک میں امن وامان قائم کرنے اور باغیوں کی سرکوبی سے ابھی فراغت نہ ہوئی تھی کہ اس کے سامنے ایک نیا مسئلہ اور ایک نیا دشمن نمودار ہوا ۔ شمالی افریقہ کے ساحل پر بنی اغلب کو نکال کر بنی فاطمہ نے اسماعیلی حکومت کی بنیاد ڈالی تھی ماریطانیا سے لے کر مصر تک تمام زرخیز اور شاداب علاقہ پر وہ قابض ہو چکے تھے ان کا دعویٰ اور عقیدہ تھا کہ تمام دنیائے اسلام کی قیادتِ عظمیٰ کے وہی جائز اور واحد حقدار ہیں ۔ ان کے جاسوس اور ایجنٹ ملک کے ہر حصہ اور ہر طبقہ میں مختلف بھیسوں میں اپنے خیالات اور عقائد کی تبلیغ کرتے تھے ۔ ذہین و دور بیں ، جاسوس ، سوداگر ، سیاح اور درویشوں کے لباس میں اسپین کے جملہ حالات کی مفصل ومکمل اطلاع اپنے قیروانی آقاؤں کو پہنچاتے تھے ۔ ابن حوقل کے سفرنامہ سے پتہ چلتا ہے کہ کس طرح اسماعیلی اسپین کی ایک ایک بات نوٹ کرتے تھے وہ لکھتا ہے کہ " ۲۹ برس بر سر ملک والوں کو

اس جزیرہ میں قدم رکھتے ہی متعجب کرتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ ملک ابھی تک اسی بادشاہ کے قبضہ میں ہے جو اس پر حکومت کرتا ہے۔ یہاں کے رہنے والے مردہ دل اور غلاموں کی سی طبیعت رکھتے ہیں وہ نامرد ہیں۔ گھوڑے کی سواری نہیں جانتے اور ہرگز اتنی طاقت نہیں رکھتے کہ ایک تربیت یافتہ فوج کے مقابلہ میں تابِ مقاومت لاسکیں۔ تاہم ہمارے آقا (فاطمی خلیفہ مصر) خدا ان پر اپنی برکتیں نازل رکھے۔ اس ملک کی قدر و قیمت سے خوب واقف ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ اس ملک کی آمدنی کس قدر زیادہ ہے اور اس میں کیا کیا خوبیاں ہیں۔" اصلاحِ مذہب کے لباس میں اسماعیلی ایجنٹ اپنی ریشہ دوانیوں اور خفیہ سوسائٹیوں کے ذریعے سے سیاسی شورشوں اور انقلابی سازشوں میں سرگرم رہتے تھے اندلس کی پُر اضطراب سیاسی حالت اور عبدالرحمٰن کے محدود وسائل اس بات کی اجازت نہیں دیتے تھے کہ وہ بنی فاطمہ سے براہ راست نپٹنے کی کوشش کرے لیکن بنی فاطمہ کے سامراجی منصوبوں اور دست برد سے محفوظ رہنے کے لئے یہ ضروری تھا کہ ان کی روز افزوں ترقی کو روکا جائے خاص کر ایسی حالت میں جبکہ اسپین کے بربریوں کا کوئی اعتبار نہ تھا۔ اسماعیلیوں کا افریقہ میں قوت و اقتدار حاصل کرنا عبدالرحمٰن کے لئے نہایت مخدوش تھا۔ اس لئے پہلے کی طرح دور اندیشی اور تدبر سے کام لیتے ہوئے مقامی سرداروں اور حکمرانوں کو ہر طرح کی غیر مشروط مالی اور اخلاقی مدد دی تاکہ وہ اپنی ہستی اور آزادی قائم رکھ سکیں۔ اور بنی فاطمہ کے قبضہ و اقتدار کی سیلابی موجوں کے تھپیڑوں سے اموی سواحل محفوظ و مامون رہیں۔ اپنے محدود فوجی و مالی ذرائع اور بنی فاطمہ کی شہنشاہیت سے مجبور ہوکر نکور کے شہزادوں نے امیر اندلس کی سرپرستی قبول کر لی۔ اس طرح اپنی فیاضی، سیاسی تدبر اور بیدار مغزی سے امیر عبدالرحمٰن نے نہ صرف بنی فاطمہ کی تباہ کن ترقی اور

تشویشناک پیش قدمی کا سدِباب کیا بلکہ سواحل افریقہ پر بھی بنوامیہ کا اثر و اقتدار قایم کردیا۔

عیسائیوں سے جنگ | شمال میں لیون اور نوار کی عیسائی ریاستیں امیر اندلس کے لیے ایک مستقل دردسر کی حیثیت رکھتی تھیں۔ ان کی طاقت اور تعداد میں روز بروز اضافہ ہورہا تھا پلیو کا جوش وخروش ان میں اب بھی موجود تھا۔ اور یہ برانگیختہ کرنے والا خیال ان کے لئے مہمیز کا کام کرتا تھا کہ ہم خود اپنے ملک کو پھر فتح کرنا چاہتے ہیں؛ تخت نشین ہوتے ہی عبدالرحمٰن نے شمالی سرحدوں کی حفاظت کے واسطے متعدد موزوں دفاعی تدابیر اختیار کی تھیں تاکہ سرحدی علاقے لیون اور قشتالہ کے اکھڑ لٹیروں" کی بے پناہ اور پیہم تاخت وتاراج سے محفوظ و مامون رہیں عیسائی حملہ آوروں کو ترکی بہ ترکی جواب دیا گیا اور وہ اندلس کی ایک انچ زمین پر بھی مزید قبضہ حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہوئے لیکن وہ بددل یا ہمت ہارنے والے آدمی نہ تھے ہر شکست کے بعد پہلے سے بھی زیادہ تیار اور نڈر ہوکر چڑھائی کرتے اس لئے ۹۲۰ء میں جب عبدالرحمٰن کو اندرونی خلفشار سے کچھ مہلت اور آزادی ملی تو وہ اسلامی حکومت کے ازلی مخالفین اور اپنے پرانے خاندانی دشمنوں کی طرف خاص طور سے متوجہ ہوا ان کی گوشمالی اور سرکوبی کے لئے اس نے نہایت ہی اعلیٰ پیمانہ پر لیون اور نوارا کے عیسائیوں کے خلاف فوج کشی کی۔ اوسمہ۔ کلونیہ۔ سن السبٹیوان وغیر مقامات کو فتح کرتے ہوئے نوار پر حملہ کیا جہاں کے بادشاہ سنیکو نے نہایت پامردی اور بہادری سے مقابلہ کیا مگر سخت گھمسان کی لڑائی کے بعد بری طرح شکست کھائی اور فرار ہوکر پناہ اور مدد کے لئے شاہ اردون کے پاس گیا۔ وادی جن کبورا میں پھر ایک بار سخت مقابلہ ہوا لیکن عیسائیوں کو پھر شدید شکست ہوئی، میلوں تک ان کی لاشوں کے ڈھیر نظر آتے تھے عیسائیوں کا ایسا قتل عام پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔ فیصلہ کن

جنگ کے بعد عبدالرحمٰن کی فوجوں نے ارڈون کے ملک کو روند ڈالا۔

جن کیوراگی ہولناک شکست کے باوجود عیسائیوں کی ہمتوں اور ارادوں میں کوئی خاص فرق نہ آیا اور سینکو اور ارڈون دونوں نے مل کر اسلامی عملداری میں پھر ڈاکہ ڈالنے کی جرأت کی اور نا برہ وبقیرہ دو شہروں پر قبضہ کرکے وہاں کی بیشتر آبادی کو قتل کر دیا اپریل ۹۲۴ء میں عبدالرحمٰن کچھ اس تیاری اور طیوروں سے عیسائیوں کے ظالمانہ افعال کی روک تھام اور انتقام کے لئے نکلا کہ ان کی ہمت نہ پڑی کہ وہ مسلمانوں کا کسی مقام پر بھی جم کر مقابلہ کریں اور بغیر کسی مقابلہ و مزاحمت کے سینکو کے دارالخلافہ پانپی لونہ (پمپلونہ) پر قبضہ کر لیا گیا ان لوگوں کو سزا دینے کی نیت سے اس دفعہ عبدالرحمٰن نے اپنی فوج کو لوٹ مار اور آگ لگانے کی اجازت دے دی۔ آخر مجبور ہو کر سینکو کو جو بقول پروفیسر ڈوزی بہت مغرور تھا امیر عبدالرحمٰن کے سامنے گردن جھکانی پڑی اور آئندہ ایک مدت کے لئے وہ اس قابل نہ رہا کہ مسلمانوں کا مقابلہ کرتا۔ عبدالرحمٰن کی خوش قسمتی سے اس عرصہ میں ارڈون شاہ لیون کا انتقال ہو گیا اور اس کے بیٹوں میں تخت سلطنت کے لئے خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ جو ۹۳۰ء تک جاری رہی۔ عبدالرحمٰن کو اب شمالی علاقوں کی طرف سے جو فکر و پریشانی لاحق رہتی تھی وہ رفع ہو گئی اور اسے اطمینان و سکون کا موقع ملا کہ وہ اپنی سلطنت میں فتنہ و فساد کے شعلوں کو ٹھنڈا کرکے امن و اطمینان قائم کرے۔

خلیفہ | تخت نشینی کے وقت عبدالرحمٰن نے اندلس کو ناگفتہ بہ حالت میں پایا تھا ہر طرف بغاوت کی آگ لگی ہوئی تھی۔ امن و امان۔ تہذیب و تمدن۔ ہر چیز فتنہ و فساد کے شعلوں کی نذر ہو رہی تھی۔ اٹھارہ سال کی مسلسل جد و جہد کے بعد اندلس میں امن و سکون قائم ہوا۔ اب تک اسپین کے فرمانروا ملک، امیر یا ابن الخلفاء کہے جاتے تھے اور عباسیوں سے

سیاسی اختلافات وعداوت کے باوجود انھوں نے "امیرالمومنین" کا لقب نہ اختیار کیا کیونکہ عام طور سے لوگوں کا یہ خیال تھا کہ حرمین شریفین کے محافظ و مالک ہی اس اعزاز کے مستحق ہیں لیکن اب جبکہ عباسی خلفاء کی حیثیت کٹھ پتلیوں اور وظیفہ خواروں سے زیادہ نہ تھی اور مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ پر بھی ان کا قبضہ و اقتدار نہ تھا۔ عبدالرحمٰن نے مناسب و ضروری خیال کیا کہ وہ امیرالمومنین کا خطاب اختیار کرے۔ ۱۷ رجنوری ۹۲۹ء سے اس کا نام "امیرالمومنین حامی دین عبدالرحمٰن الناصرلدین اللہ" خطبوں اور سرکاری کاغذات میں لکھا اور پڑھا جانے لگا دسویں صدی عیسوی میں کوئی دوسرا اس خطاب ولقب کے لئے موزوں و مستحق بھی نہ تھا یہ اسی کی کوششوں کا ثمرہ و نتیجہ تھا کہ اسپین میں پھر ایک مرتبہ عربوں کا اقتدار قائم ہو گیا اور بنو امیہ کی سلطنت کو نئی زندگی اور پورا عروج حاصل ہوا۔ بقول لین پول "یہ اس کی مدت اپنی مملکت کے اندر عاقلانہ انتظام کرنے اور عیسائیوں کے مقابلہ میں ہر سال جہادی فوجیں بھیجنے میں صرف ہوئی۔ اس لئے وہ عیسائیوں کے مقابلہ میں بیشک اپنے مذہب کا ناصر یعنی پشت پناہ تھا۔"

اعلان جہاد خلیفہ ناصر کو خبر ملی کہ زیراگوزا کے گورنر نے شمال کے عیسائیوں سے امیر کے خلاف سازباز کی اس نے فوراً ہی اس سازش کے تدارک کے لئے زیراگوزا پر چڑھائی کی اور اس کو تسخیر کرنے کے بعد نوارا پر حملہ کیا۔ نائب السلطنۃ ملکہ طوطہ نے شکست مان کر صلح کی درخواست کی اور خلیفہ کو نوار کا سرپرست و بالادست تسلیم کر لیا مگر رومیر ثانی شاہ لیون نے اس معاہدہ اور خلیفہ کی اطاعت قبول کرنے سے انکار کر دیا اب جبکہ بنو امیہ کا آفتابِ اقتدار نہایت آب و تاب سے آسمانِ اندلس پر ضوفشانی کر رہا تھا خلیفہ ناصر نے فیصلہ کیا کہ روز روز کی چھیڑ چھاڑ اور مسلسل سالانہ سرحدی جھڑپوں کے استیصال

کے لئے شمال کی عیسائی ریاستوں کو فتح کر کے اس کانٹے کو ہمیشہ کے لئے نکال دیا جائے اور ان کی سرفروشانہ مذہبی جنگوں سے جو خدشہ و خطرہ اسلامی حکومت کو تھا اسے ہمیشہ کے لئے ..... ختم کر دیا جائے اس کو معلوم تھا کہ کس طرح قطبیوں کے سردار پلیو نے تین سو آدمیوں کے ساتھ اسچوریاز کے پہاڑی علاقے میں پناہ لی تھی اور کوہ سے ڈونگا کی پہاڑی کھو میں ان عیسائی ریاستوں کی بنیاد ڈالی تھی جنہوں نے آہستہ آہستہ ترقی کر کے اب یہ صورت اختیار کر لی تھی کہ وہ حکومت قرطبہ کی مدمقابل تھیں اور مسلمانوں کو اندلس سے نکالنے کے لئے ہمیشہ کوشاں و سرگرداں۔ چنانچہ فیصلہ کن جنگ کی نیت سے اس نے جہاد کا اعلان کیا تاکہ اندلس کے علاوہ دوسرے ملکوں کے مسلمان بھی اس میں شریک ہو سکیں۔

یوم الخندق | سرحد کے عیسائی حملہ آوروں کا مقابلہ اور قلع قمع کرنے کے لئے خلیفہ نے ہر ممکن تیاری کی۔ اور ایک لاکھ کی زبردست فوج جو ہر قسم کے آلات حرب و سامان رسد رکھتی تھی اس معرکہ و جہاد کے واسطے قرطبہ سے روانہ ہوئی۔ اس فوج میں مصر، شام ماری تانیا تک سے لوگ آکر شامل ہوتے تھے تاکہ "کفار کی ذلت کا تماشا دیکھیں، اور ان کے کھیتوں، گرجاؤں اور محلوں کو لوٹیں" اپنے باڈی گارڈ کی معیت و جلو میں خلیفہ نے بنفسہ فوج کی قیادت کی لیکن کل فوج کا سپہ سالار نجدۃ الحیری کو مقرر کیا۔ چونکہ نجدہ صقالبہ یعنی شاہی غلام تھا اس لئے عرب امیروں اور سرداروں کو سخت ناگوار خاطر ہوا۔ امیر کی مطلق العنانی اور نئے اصول حکومت سے وہ پہلے ہی نالاں اور بددل تھے۔ نجدہ کے سپہ سالار ہونے سے ان کی بددلی نفرت و کینہ میں تبدیل ہو گئی اور "غصہ کی حالت میں انھوں نے اپنی اس تذلیل کا بدلہ لینے کا قطعی ارادہ کر لیا اور سوچ لیا کہ اس جنگ میں

ناصر کو ایسی شکست دوائیں گے جسے وہ کبھی نہیں بھولے گا"

بغیر کسی مقابلہ یا مزاحمت کے خلیفہ کی فوج زمورا تک پہنچ گئی یہ شہر نہایت ہی محفوظ تھا۔ شہر کی سات فصیلیں تھیں، اور وہ نہایت مضبوط اور مستحکم تھیں ہر ایک فصیل کے درمیان فاصلہ اور ایک وسیع خندق تھی اور ہر ایک خندق میں پانی بھرا ہوا تھا۔ بیرونی فصیلوں کو پار کر کے جب عرب آگے بڑھے تو انھیں تیروں اور نیزوں کی موسلا دھار بارش کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن عربوں نے بڑی بہادری اور ثابت قدمی سے لڑائی جاری رکھی اور اپنے ساتھیوں کی لاشوں پر خندق کو پار کیا اس قیامت خیز معرکہ میں عرب سرداروں نے غداری کی اور اپنی فوجوں کو پیچھے ہٹا لیا اس حماقت کا یہ نتیجہ ہوا کہ خلیفہ کو شکست فاش ہوئی۔ خلیفہ کی محافظ فوج نے نہایت بہادری اور ثابت قدمی سے جنگ کے پانسہ کو پلٹنا چاہا مگر ناکامیاب رہی۔ ایسی ہولناک شکست مسلمانوں کو اندلس میں کبھی نہ ہوئی تھی تمام لشکر تتر بتر ہو گیا۔ بھاگتے ہوئے مسلمانوں کا فاتحوں نے نہایت بے دردی سے قتل عام کیا۔ امیہ بن اسحاق عیسائیوں سے شروع ہی میں جا کر مل گیا تھا۔ اس نے دشمنوں کو خلیفہ کی پوشیدہ باتوں اور کمزوریوں سے آگاہ کر دیا تھا اور علامہ مقری کے بیان کے مطابق یہ امیہ بن اسحاق ہی تھا جس نے ردمیر کو مشورہ دیا تھا کہ مسلمانوں کو باوجود طلب امان نہ دے علامہ مقری کا خیال تھا کہ "اگر یہ بات (غداری) نہ ہوتی تو مسلمانوں پر جو کچھ مصیبت پڑی وہ ہرگز نہ پڑتی" ابن خلدون، مسعودی اور مقری کے تخمینہ کے مطابق اس معرکہ اور قتل عام میں پچاس ہزار (۵۰۰۰۰) مسلمان کام آئے۔ بڑے بڑے فوجی افسر گرفتار ہوئے۔ سالار اعظم مارا گیا۔ اور خلیفہ بمشکل اپنی جان بچا کر قرطبہ پہنچا۔

اندلس کے مسلمانوں کو ایسی شکست کبھی نہ ہوئی تھی۔ اگر عیسائیوں نے اپنی فتح

وکامیابی سے پورا فائدہ اٹھایا ہوتا تو اسپین کی تاریخ کا نقشہ بدل گیا ہوتا اور غزوۂ خندق کا شمار دنیا کی اہم ترین اور فیصلہ کن جنگوں میں ہوتا خلیفہ کی خوش قسمتی سے لیون اور قشتالہ کے عیسائیوں میں جنگ چھڑ گئی۔ ان کے اندرونی جھگڑوں اور باہمی عداوت اور کشت وخون کی بدولت خلیفہ ناصر کو مہلت مل گئی کہ وہ جنگ خندق کی مصیبت کی تلافی اور عیسائیوں سے بدلہ لینے کی مکمل تیاریاں کرلے۔

عیسائیوں کی باہمی مخالفت و عداوت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے خلیفہ نے متعدد بار لیون کے خلاف اپنی فوجیں بھیجیں اور ہر طرف عیسائیوں کو شکست ہوئی خاص کر ۹۴۲ء اور ۹۴۵ء کی مہموں کی کامیابی سے اس کا وقار از سر نو قائم ہوگیا۔ اور جنگ خندق کی شکست کی کافی تلافی ہوگئی خلیفہ نے اس قسم کی تعزیری مہموں کا برابر سلسلہ جاری رکھا یہاں تک کہ مجبور ہو کر انھوں نے ہتھیار ڈال دئے اور صلح کے لئے درخواست کی۔ ۹۵۵ء میں ردمیر فاتح خندق کے بیٹے اور جانشین اردون ثالث سے ان شرائط پر صلح ہوگئی کہ اس نے خلیفہ ناصر کے اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کرلیا۔ اور وعدہ کیا کہ قرطبہ کی سرحدوں پر اپنے قلعوں کو خالی یا منہدم کردے گا نیز وہ آئندہ کبھی اندلس پر حملہ نہ کریگا لیکن اردون ثالث کی وفات پر اس کا بھائی اور حریف سینکو تخت نشین ہوا اور اس نے معاہدہ کی شرطوں کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا اس لئے جولائی ۹۵۶ء میں خلیفہ کے حکم کے مطابق احمد بن یعلی، گورنر طلیطلہ کو سینکو کے خلاف چڑھائی کا حکم دیا اور شکست فاش دی۔

(باقی آئندہ)

ابو المظفر جلال الدین محمد شاہ عالم ثانی

(۲)

(از جناب مفتی انتظام اللہ صاحب شہابی اکبرآبادی)

روہیلوں میں بیچینی | بادشاہ کے مذکورالذکر واقعات نے روہیلوں میں عام بیچینی پیدا کردی اور مشورہ ہونے لگے کس طرح مرہٹوں کے پنجے سے اس بے سمجھ بادشاہ کو چھڑایا جائے اور رہی سہی جو حکومت ہے وہ بچالی جائے نواب ضابطہ خاں نے اپنے وقار کی خاطر سکھوں سے سازباز کیا حتیٰ کہ شہرت یہ اڑی کہ وہ سکھ ہوگیا آخر نجف خاں کے ہاتھ سے اس کی تدبیریں خاک میں مل گئیں اُس کا بیٹا غلام قادر تھا یہ مرہٹوں کے ساتھ غوث گڈھ کی تباہی کے بعد سے تھا مرہٹے ضابطہ خاں کے بیوی بچے پکڑ لائے تھے بادشاہ نے غلام قادر خاں کو قتل کرا دینا چاہا مگر منظور علی خاں ناظر کی سفارش سے جان بخشی ہوئی عمر اس وقت ۹۔۱۰ سال کی تھی یہ مشابہت خوبصورت اور حسین تھا بادشاہ نے اسے منظور نظر بنا کر خصی کرا دیا اور قدسیہ باغ میں رکھا گیا بادشاہ بھی اب رنگ رلیوں کے نذر ہوگئے تھے دن رات ناچ گانا ہوتا تھا غلام قادر کو زنانے کپڑے پہنا کر سامنے بلایا جاتا جب تک نادان رہا سب بادشاہ کے ظلم سہے ہوشیار ہونے پر راہ فرار اختیار کی اور اپنے باپ سے جا ملے۔

(واقعات الظفری و عجیب التواریخ صفحہ ۰ صلی)

واقعات نواب غلام قادر ضابطہ خاں کے انتقال کے بعد غلام قادر جاگیر پہ قابض ہوا اس کی بادشاہ سے ایک گونہ دشمنی تھی مگر اس سے زیادہ اس جماعت سے تھی جس نے غوث گڑھ کی اینٹ سے اینٹ بجائی چنانچہ منظور علیخاں ناظر قلعہ معلی جو مرہٹوں کی سخت گیری سے تنگ آچکا تھا غلام قادر سے مشورہ کر کے طے کیا کہ مرہٹوں کو دلی سے باہر کر کے نئے طور سے مغلیہ سلطنت کا وقار قایم کیا جا سکے۔ مادھو سندھیا گوالیار گیا ہوا تھا۔ موقعہ پا کر کچھ جان نثار روہیلوں کو ہمراہ لے کر غلام قادر دلی پہ چڑھ دوڑا منظور علیخاں ناظر نے بلا مزاحمت دہلی پر اس کا قبضہ کرا دیا اور غلام قادر نے اپنا آبائی منصب امیر الامرائی حاصل کر لیا۔ دربار کے امراء بادشاہ کی حرکتوں سے دل برداشتہ تھے وہ سب غلام قادر کے ساتھی ہو گئے۔

غلام قادر نے علی گڈھ کا قلعہ مرہٹوں سے چھین لیا اس کے بعد اسمٰعیل بیگ کی مدد سے آگرہ کا محاصرہ کر لیا ۱۰ رجب ۱۲۰۱ھ/۱۷۸۷ء کو زبردست جنگ ہوئی اس میں مسلمانوں نے داد شجاعت دی۔ اس اثنا میں سہارنپور سے اطلاع آئی یہاں کے علاقہ میں سکھوں نے چیرہ دستی شروع کر دی اس خبر پر نواب غلام قادر خاں کو اپنے علاقہ کو واپس جانا پڑا۔

امراکی کشیدگی آغاز ۱۲۰۲ھ/۱۷۸۸ء میں غلام قادر خاں دلی آیا شاہ عالم نے پھر سندھیا کو کمک کے لئے خفیہ طور پر طلب کیا اس حرکت سے بادشاہ کے تمام امرا بگڑ بیٹھے اور غلام قادر کے شریک اور ہمنوا ہو گئے حتیٰ کہ ساری مغل سپاہ بادشاہ کی مسلم کش پالیسی سے ٹوٹ کر غلام قادر سے مل گئی بادشاہ گھبرا گیا اور اس نے منظور علی کی معرفت غلام قادر خاں سے میل کیا اور پھر امیر الامرا اس کو بنا دیا۔

نواب غلام قادر نے شاہ عالم سے کہا آپ کے پاس جو خزانہ شاہی ہے اس